ڈاکٹر روبینہ شاہین

شفیق الرحمٰن کی مزاح نگاری
(''حماقتیں'' کے حوالے سے)

Safiqur Rahman is simultaneously the most popular and the most neglected humourist of Urdu literature. Apart from being entertaining, his humour is like a convincing commentary on various aspects of human life. In spite of the fact that he places his characters into the unfamiliar and typically exotic Western environment, the author does not pollute his narrative with any touch of vulgarity or obscenity. At times his romanticism and fictional style take the readers into a fascinating world of fantasy. His characters apparently belong to the privileged classes but all the same his humour is equally relished by the common man.

''ایک کتاب کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ پڑھی جا سکے اس کا پڑھنا فرض نہ بن جائے۔
شاید یہ بھی کہ وہ پڑھنے والے کے دل کو مسرت بخشے۔ شفیق کے کتابیں اور کہانیاں اس
آزمائش پر پوری اترتی ہیں''۔ ''محمد خالد اختر''

کسی تحریر کی پہلی اور اہم خوبی یہی ہے کہ وہ (Readable) ہو، وہ قاری سے خود کو پڑھوا سکے۔ شفیق الرحمٰن کی تحریروں میں یہ اہم خوبی اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ ''حماقتیں'' نو (۹) دلچسپ مضامین پر مشتمل ایسا مجموعہ ہے جسے شفیق الرحمٰن کا نمائندہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ شفیق الرحمٰن جس رومانوی، چلبلی اور تفریحی تحریر کے لئے قبول ہیں وہ سارے عناصر اس مجموعے کی شان ہیں۔ آج ان جیسا لکھنے والا اردو ادب کو نصیب نہیں کیونکہ سائنسی ترقی اور تیز رفتار زندگی کے اس دور میں کون ہوگا جو قدرتی مناظر رومانوی انداز اور پُر مزاح حالات و واقعات کو اپنے افسانوں اور سفرناموں میں اتنی عمدگی سے سمو کر فن کا حصہ بنا سکے گا جس طرح شفیق الرحمٰن نے یہ کام کیا ہے۔ حماقتیں میں افسانوی رنگ بھی نمایاں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کا مزاح ہر جگہ اپنی جھلک دکھاتا ہے۔ ان کی مزاح نگاری تبسم زیر لب کی قائل نہیں بلکہ بے

اختیار ہنسی اور قہقہے کی پیداوار ہے۔ سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ ان کا تخلیق کردہ ماحول نہ تو مشرقی ہے اور نہ ہی ہمارے لئے مانوس، اس کے باوجود عام قاری ان کے مزاح سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اس ضمن میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دراصل شفیق الرحمٰن کے افسانوں کے پلاٹ و کردار زندگی و حالات کے زیادہ قریب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک انہیں اپنے دل کے قریب پاتا ہے۔ یعنی بقول فیض

یوں نہ تھا میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے

ان کے کردار ماحول اور تمدنی روایت کے حوالے سے مراعات یافتہ طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اس ماحول میں نوجوان طبقہ اپنی خواہشات کا عکس دیکھتا ہے۔ وہ خواہشات جن کو مستقبل قریب میں پورا کرنا چاہتے ہیں یا وہ ان کے خوابوں کا حصہ ہے۔ ان کے پیش کردہ کردار بڑی حد تک خوابناک کشش کے حامل ہیں۔ جس طرح پرانی داستانوں میں جنوں اور پریوں کی زبانی داستان گو اپنی خواہشات بیان کرتا تھا اور پڑھنے والے اس ذوق داستان سرائی میں اپنی ناآسودہ خواہشات کی تسکین پاتے تھے بالکل ویسی ہی فضا شفیق الرحمٰن کے ہاں ملتی ہے۔ ان کے مزاحیہ کردار مضحکہ خیز نہیں بلکہ اپنی حرکات و سکنات اور رکھ رکھاؤ سے معقول دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شفیق الرحمٰن ان کی ناہمواریاں دکھانے کی بجائے ان کی شرارتوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ''حماقتیں'' واقعاتی اور کرداری مزاح نگاری سے مزین ہے۔ اس کتاب کی ابتدا ''لنکن'' کے اس قول سے ہوتی ہے:

''وہ جو اس قسم کی کتابوں کو پسند کرتے ہیں اس کتاب کو وہ بالکل ویسی ہی پائیں گے جیسی کتابوں کو وہ پسند کرتے ہیں''۔

سب سے پہلا افسانہ ''نیلی جھیل'' اپنے عنوان میں ہی رومانیت لئے ہوتے ہے۔ اس افسانے کا شمار شفیق الرحمٰن کے اہم اور نمائندہ افسانوں میں ہوتا ہے۔ اس افسانے میں مزاح کردار، واقعات اپنی جگہ لیکن اس کی اصل روح وہ طلسماتی فضاء ہے جو الحمرا کی کہانیوں میں ہوتی تھی۔ معروف مزاح نگار اور شفیق الرحمٰن کے گہرے دوست محمد خالد اختر ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں کو بچپن میں جاسوسی اور الحمرا کی طلسماتی کہانیوں بے حد پسند تھیں، اور شفیق الرحمٰن کی تحریروں میں الحمرا کی کہانیوں کا اثر بآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ محمد خالد اختر لکھتے ہیں۔

''ہم گھر والوں سے چوری چھپے دارالاشاعت پنجاب سے بھی کتابیں منگواتے۔ ان کا وی۔ پی چھڑانے کے لئے ہم اپنے جوڑے ہوئے پیسوں کو پول (Pool) کرتے۔ کیا ہم بادشاہوں کی طرح خوش نہ ہوتے تھے۔ جب کتابوں کا بنڈل ہمارے قبضے میں ہوتا تھا اور کس دھڑکن و اضطراب سے ہم اس بنڈل کو کھولتے تھے اور کیسی خوبصورت کتابیں وہ ہوتی تھیں! قصر صحرا، عمر عیار، جنوبی سمندر کی کہانی، الحمرا کی کہانیاں۔ میں نے ایسی کتابیں پھر نہیں پڑھیں نہ کبھی پڑھوں گا۔ شفیق کو جو کتاب

سب سے اچھی لگتی وہ غلام عباس کی الحمرا کی کہانیاں تھی۔ ان کہانیوں کے اسرار، جادو اور رومان نے اسے بالکل مسحور کر لیا"۔ (ریت پر لکیریں۔ ص ۱۵)

"نیلی جھیل" میں بھی شفیق الرحمن نے معصوم بچوں کی دنیا تخلیق کی ہے۔ لطائف و ظرائف سے تحریک پانے والی شریر نفسی اور معصومانہ ذہنیت کی جاندار عکاسی ملتی ہے۔ "نیلی جھیل" دراصل بچوں کی جائے پناہ ہے۔ ایسی نیلی جھیل جو ہم میں سے ہر ایک کے تصور میں بستی ہے اور زندگی کے تلخ حقائق سے فرار ہو کر ہم بھی ایسی ہی نیلی جھیل کے کنارے عافیت ڈھونڈنا چاہتے ہیں۔ گھر میں بڑے بچوں کو سمجھاتے ہیں کہ اس خوشنما نیلی جھیل میں مچھلیاں نہیں ہیں لیکن انہیں یقین نہیں آتا، یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایسی خوشنما جھیل میں مچھلیاں نہ ہوں بلکہ ایسی جھیل میں تو مچھلیاں دور دور سے رہنے کو آتی ہوں گی۔ ان کی اس خوابوں کی جھیل کو شفیق الرحمن یوں بیان کرتے ہیں۔

> "ہم اداس ہوتے یا ہمیں دھمکایا جاتا تو ہم سیدھے جھیل کا رخ کرتے۔ بنسیاں پانی میں ڈال کر گھاس اور پھولوں میں بیٹھ جاتے۔ بادشاہوں پریوں اور بحری ڈاکوؤں کی کہانیاں پڑھتے۔ ذرا سی دیر میں ہم بھول جاتے کہ اس خوبصورت گوشے کے علاوہ دنیا کے اور حصے بھی ہیں۔ جہاں سکول بھی ہے، سکول کا کام بھی ہے، ماسٹر صاحب کی ڈانٹ ہے اور گھر والوں کی گھرکیاں ہیں"۔ (حماقتیں۔ ص ۱۴)

یہ سب باتیں اس وقت محسوس کی جا سکتی ہیں جب ہم ان بچوں جیسے بن کر سوچیں۔ شفیق الرحمن نہ صرف ان معصوم ذہنوں تک پہنچے ہیں بلکہ ان شفاف دلوں اور معصوم سوچوں کو بھی اپنی تحریر میں سمویا ہے، جو صرف انہی کا حصہ ہے۔ دراصل نیلی جھیل ایک علامت ہے۔ اس علامت کے پس منظر میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ہم میں سے کون ہے جو زندگی کی تلخیوں کو سہارنے کے لئے ایسی نیلی جھیلیں تخلیق نہیں کرتا۔ زندگی میں ان جھیلوں کا تار بندھا ہوا ہے۔ تا حد نگاہ یہ جھیلیں اسی طرح چلی گئی ہیں کہ جہاں ایک ختم ہوتی ہے دوسری شروع ہو جاتی ہے۔ یہ افسانہ مزاحیہ پیرائے میں لکھا گیا ہے لیکن کہیں کہیں طنز کی زیریں لہر بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔ طنز بنیادی طور پر کسی ناہمواری سے جھنجلاہٹ کا نتیجہ ہے، جو شفیق الرحمن کے ذوق اور مزاج کا حصہ نہیں۔ مگر "رستم" جو افسانے میں زندگی کے تلخ حقائق کا نمائندہ ہے وہ ایک جگہ بچوں کو یوں سمجھاتا ہے۔

> "دنیا میں دوستی، محبت، انس سب رشتے مطلب پر قائم ہیں۔ محبت آمیز باتوں، مسکراہٹوں، مہربانیوں، شفقتوں، ان سب کی تہہ میں کوئی غرض پوشیدہ ہے یہاں تک کہ خدا کو بھی لوگ ضرورت پڑنے پر یاد کرتے ہیں"۔ (حماقتیں، ص ۴۶)

چاندنی رات، نیلی جھیل اور دوسرے کنارے کا سحر توڑنے کے لئے رستم انہیں بتاتا ہے کہ:

> "تم کو یہ خود غرضی کی نیلی جھیلیں اور دوسرے کنارے عمر بھر پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ہم زندگی بھر اپنے آپ کو فریب دینے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ یہ یقین دلانے کی کوشش میں کہ جو

چیز یہاں نہیں ہے وہ یہاں ہے۔ آج تم نے دو مری ہوئی مچھلیاں اپنے کانوں میں اس لئے لگائی ہیں کہ تمہیں اب تک یقین ہے کہ دنیا چھوٹی ہے اور تمہارا تصور سچا ہے۔ دوسرے کنارے کے متعلق تم نے کیسے سہانے خیالات دل میں بسا رکھے ہیں۔ میں وہاں کئی مرتبہ گیا ہوں وہ کنارا بالکل ویران ہے"۔ (حماقتیں۔ ص ۴۱)

لیکن یہ سب باتیں بچوں کے معصوم تصور کو دھندلا نہیں سکتیں، حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں سچ وہی ہوتا ہے جسے ہم سچ مانتے ہیں۔ اس فریب خانہ دنیا میں جس فریب پر ہم نے اعتبار کیا بس ہمارے لئے وہی حقیقت باقی سب فسانہ۔

''نیلی جھیل'' شفیق الرحمٰن کو ذاتی زندگی اور بچپن کا گہرا اثر لیئے ہوئے ہیں۔ محمد خالد اختر جن کہانیوں، ہیروں اور فرضی بحری قزاقوں کی لڑائی کا تذکرہ کرتے ہیں جو وہ اور شفیق الرحمٰن بچپن میں کھیلا کرتے تھے وہ سب کچھ اس افسانے میں مل جاتا ہے۔ نیلی جھیل کو جھٹلانے کے لئے رستم کا طنز موجود ہے لیکن اس طنز میں چبھن و نشتریت نہیں بلکہ دکھ اور اداسی کا احساس پنہاں ہے۔

مظاہر انسانی کے ساتھ ساتھ مظاہر فطرت بھی شفیق الرحمٰن کا دلپسند موضوع ہے۔ وہ انسانوں کے بنیادی رویوں کو اپنے فن کا حصہ بناتے ہیں۔ ان کی خوشی، غم، نا آسودگی، محبت، نفرت، شرارتوں، حماقتوں کے ساتھ ایک نئی دنیا نیا نقطۂ نظر و زاویۂ نگاہ سامنے لاتے ہیں۔ لیکن ان سب کے پیچھے فطرت کی رعنائیاں اپنا عکس دکھاتی رہتی ہیں جس سے قاری کو جذباتی و ذہنی فرط ملتی ہے۔ کتاب میں شامل افسانہ ''بے بی'' نہ صرف انسانی رویوں کی نئی جہت کو پیش کرتا ہے۔ بلکہ قدرتی مناظر کی عکاسی کی بدولت ایک رومانوی فضا تخلیق کی گئی ہے۔ اگر چہ اس افسانے میں پیش کردہ ماحول مشرقی قاری کے لئے اجنبی ہے، کیونکہ کلب، ڈانس، والز اور خوبصورت آزاد خیال لڑکیاں ہمیں مغربی ماحول میں لے جاتی ہیں لیکن شفیق الرحمٰن کا کمال یہ ہے کہ وہ جس وسعت سے زندگی کو پیش کرتے ہیں۔ وہاں یہ ماحول ہمارے لیے قابل قبول بن جاتا ہے۔ کوئی لفظ، کوئی جملہ یا کوئی اشارہ ایسا نہیں جو ابتذال یا پستی کا حامل ہو بلکہ ہر جگہ ایک سلجھا ہوا ذوق اور ایک عالمگیر سوچ ملتی ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار ''فرینکی'' ہے جبکہ ضمنی کرداروں میں ''روبی'' کے کردار کو بڑی رومانیت سے اُبھارا گیا ہے۔ ''فرینکی'' جو زندگی کا بیشتر حصہ گزار چکا ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز اور گرم و سرد سہہ چکا ہے۔ اس نے عزت، دولت، اور شہرت کا مزا چکھا ہے۔ اب یہاں اس ویرانے میں گمنامی کے ساتھ افسانہ نگار کو ملتا ہے۔ آخر میں پتہ چلتا ہے کہ فرینکی جو خود کو کرکٹ سے ناواقف بتا کر کرکٹ سیکھ رہا ہے۔ دراصل وہ آسٹریلیا کا مشہور و معروف باولر تھا۔ یہ بات جاننے کے بعد قاری فرینکی کے کردار کو نئے سرے سے سوچنے لگتا ہے۔ فرینکی کا اپنا انداز نظر اور وضع زندگی ہے۔ اس کے لئے دنیا دلچسپ جگہ ہے وہ زندگی کو یوں محسوس کرتا ہے۔ جیسے ابھی ابھی شروع ہوئی ہے۔ بالکل بچوں کی طرح۔ وہ روایتی بوڑھوں کی طرح چڑ چڑا، بدمزاج اور زندگی سے اکتایا ہوا نہیں بلکہ زندگی اس کے

لئے کچھ یوں ہے۔

"مجھے دنیا کی نفیس ترین چیزوں سے محبت ہے۔ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے محبت ہے۔ اندھیری رات کے چمکتے ہوئے تاروں سے محبت ہے۔ وہ قوس قزح بڑی پیاری لگتی ہے جو کمان کی طرح کسی وادی پر محیط کر دی جائے۔ سچائی خلوص اور محبت پر اب تک میرا اعتقاد ہے۔ ایک مخلص دوست میرے لئے سب سے بڑی نعمت ہے۔ میں صرف خلوص پر زندہ ہوں۔ میری زندگی کا سرمایہ یہی میرا ماضی ہے۔ یہی میرا مستقبل"۔ (حماقتیں۔ ص ۴۳)

فرینکی کا نظریہ عجیب تازگی اور دلکشی لئے ہوئے ہے۔ وہ مثبت اور امید افزا سوچ کا مالک ہے۔ مصنف کا اپنا زاویہ نظر اس کردار کے ذریعے سامنے آ جاتا ہے کہ زندگی کا ہر گزرتا ہوا سال ہماری عمر کو کم نہیں کرتا بلکہ اس میں جمع ہو جاتا ہے۔ پھول، تتلیاں، رنگ، جگنو، تارے، چاندنی کائنات کی یہ رنگارنگی زندگی کو لطف اندوز ہونے کے لائق بناتی ہے۔ ہم میں سے کون ہے جو دکھ درد سے آشنا نہیں لیکن کتنے ہیں، جنھیں دکھ درد سہارنے کا سلیقہ آتا ہے۔ اس افسانے میں اول تا آخر رومانوی فضا چھائی ہوئی ہے۔ اس فضا کو شفیق الرحمٰن کے دلکش اسلوب نے مزید سحر آفرین بنا دیا ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

"شفاف نیلگوں پانی میں لہریں مچل رہی تھیں۔ بڑے بڑے کنول کے پھول ہلکورے لے رہے تھے۔ ہوا کے تیز جھونکے آئے اور پانی کی سطح پر ننھے منے رنگین پھول نکل آئے۔ یہ پھول بڑھتے گئے ان پر سرخ تتلیاں آگئیں۔ اتنی ساری تتلیاں کہ سب کچھ سرخ ہو گیا۔ پھر تتلیاں شعلے بن گئیں۔ چاروں طرف شعلے ہی شعلے لپکنے لگے۔ بادل گرجا، بجلی کوندی، ننھی ننھی بوندیں برسنے لگیں۔ شعلے غائب ہو گئے۔ چاند نکل آیا۔ چاروں طرف چاندنی پھیل گئی۔ بادلوں کے ٹکڑے چاند کے سامنے سے گزر گئے"۔ (حماقتیں۔ ص ۵۵)

رومانوی تحریر میں اسلوب کی دلکشی عموماً مسجع و مقفع الفاظ کی مرہون منت ہوتی ہے۔ لیکن شفیق الرحمٰن کے اسلوب میں روایتی حروف "ج" "ش" "پ" کی تکرار کے باوجود سادگی اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ یہ اہم خوبی انھیں رومانیت پسندوں میں انفرادیت عطا کرتی ہے اور قاری کو ان کا گرویدہ بنا دیتی ہے۔ نوجوانی کی پہلی محبت (Calf love) کی شیفتگی، دیوانگی، بے ساختگی اور عارضی پن کو موضوع بناتے ہوئے فرینکی جب یہ کہتا ہے کہ:

"اس عمر کی محبت بڑی عجیب ہوتی ہے جب تک ایک دوسرے کے سامنے ہوں۔ چاروں طرف محبت ہی محبت برستی نظر آتی ہے۔ یوں منٹوں میں عمر بھر کے پیمان باندھے جاتے ہیں اور جہاں نظروں سے اوجھل ہوئے تھوڑے سے رونے دھونے

کے بعد کچھ یاد نہیں رہتا۔ ذرا سے عرصے کے بعد ساری باتیں خواب بن جاتی ہیں"۔

(حماقتیں۔ ص ۶۸)

شفیق الرحمٰن نے کرداری مزاح میں دلچسپ اور اہم اضافہ کرتے ہوئے چند لافانی کردار تخلیق کیئے ہیں۔ مثلاً شیطان، مقصود گھوڑا اور حکومت آپا ایسے کردار ہیں جنھیں اردو کے مزاحیہ ادب میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ کتاب میں شامل ''تعویذ'' میں ہماری ملاقات شیطان (روفی میاں) سے ہوتی ہے۔ ''تعویذ'' دراصل ہماری معاشرتی زندگی وضعیف اعتقادی کا عکاس ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کبھی کبھی ضعیف العقیدہ ہو جاتا ہے۔ اس پہلو کو مزاحیہ اور ہلکے پھلکے انداز میں اُبھارا گیا ہے۔ اس افسانے میں مانوس ماحول و ذوق ملتا ہے۔ نیاز فتح پوری شفیق الرحمٰن کی اس خوبی کی جانب ان الفاظ میں اشارہ کرتے ہیں۔

> ''شفیق الرحمٰن کے مضامین ملک کے موجودہ ذوق کو آسودہ کرنے والے ہیں۔ ان کا مزاح محض مزاح کی حیثیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس میں ہماری زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اچھی خاصی رائے زنی پائی جاتی ہے اور ندرت وجدت بھی''۔ (ظرافت۔ شفیق الرحمٰن نمبر)

لطائف و ظرافت، رعایت لفظی، لفظی الٹ پھیر اور ذو معنویت ان کے فن کے اہم عناصر ہیں، ان عناصر کے ساتھ اگر فنکار کی ذہنی پختگی اور فنکارانہ شعور شامل نہ ہو تو فن کے عامیانہ ہونے کے احتمال ہوتا ہے۔ شفیق الرحمٰن اس مشکل راہ سے بآسانی گزرے ہیں۔ ان کے مزاح میں کہیں بھی پھکڑ پن، ابتذال اور شعوری کاوش کا احساس نہیں ملتا۔ اس لحاظ سے ان کی مقبولیت بھی دیگر مزاح نگاروں سے زیادہ رہی کیونکہ ان کے مزاح عام و خاص کو محظوظ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر فوزیہ چوہدری کی رائے قابل غور ہے کہ:

> ''اُنھوں نے مزاح کو ایک طبقے کی مسرت کا ذریعہ بنائے رکھنے کی بجائے عوامی سطح پر اور کھڑا کیا۔ اگرچہ ان کے کردار ماحول اور تمدنی روایت کے حوالے سے طبقہ امراء سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی کہانیوں میں پیش کیئے جانے والا ماحول نسبتاً مراعات یافتہ طبقے کی نمائندگی کرتا ہے مگر اس بات نے شفیق الرحمٰن کی مقبولیت کو جلا بخشی ہے''۔
>
> (ظرافت۔ شفیق الرحمٰن نمبر ص ۲۵)

جہاں تک شفیق الرحمٰن کے ہاں رومانیت کے عنصر کا تعلق ہے تو یہ رومانیت یلدرم، نیاز فتح پوری جیسی رومانیت نہیں، اس میں دوری، مایوسی، انتشار اور ناآسودگی کی بجائے ایک صحت مند رفاقت، خوشی اور فرحت کا احساس ہے۔ مل کر بچھڑنے کا غم تو ہے مگر حوصلہ مندی کے ساتھ زندگی کے موجودہ لمحوں سے ساری خوشی کشید کرنے کا حوصلہ ان کی رومانیت کو نیا رنگ عطا کرتا ہے۔ فرنگی کہتا ہے۔

> ''بھتیجے! تم بھول جاتے ہو کہ زندگی بے حد مختصر ہے اور یہ لمحے کبھی دوبارہ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ نہ جانے کتنی مرتبہ بلیو ڈینیوب بجے گا، ہر دفعہ رقص کے لئے نیا ساتھی ملے

گا۔ لیکن تمہیں ہر بار مسکراتے ہوئے رقص کرنا ہوگا۔ اپنے ساتھی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر۔ یہ تمہارا فرض ہے ورنہ زندگی تم سے بے زار ہو کر تمہیں پیچھے چھوڑ جائے گی"۔ (حماقتیں۔ص ۲۷)

فرد کا کائنات اور ماحول کے مشاغل میں محو رہنا ہی زندگی ہے۔ شفیق الرحمٰن کے ہاں زندگی کے یہ رنگ اتنے دلچسپ ہیں کہ قاری خود بخود ان میں مگن ہو جاتا ہے۔ چشمے، پہاڑیاں، جنگل، خیمے، الاؤ کے گرد بیٹھنا، ماؤتھ آرگن پر گانے، پرندوں کے رنگین پر، پتھروں کے گول چپٹے ٹکڑے۔ خودرو پھول، رنگین مچھلیاں، پرندے، کلب، تاش کی محفلیں، دنیا بھر کے ممالک کی سیر، یہ سب کتنا رومان انگیز ہے اور دنیا کو دلچسپ بناتا ہے۔ یہی وہ رومانوی عناصر ہیں جو شفیق الرحمٰن کی تحریروں کو رنگین تر بنانے میں کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ دراصل صداقت کے بغیر فن پارے میں تاثیر ممکن نہیں۔ شفیق الرحمٰن نے خود جیسی زندگی بسر کی اس کا عکس ان کے فن میں ملتا ہے۔ ان کا زاویۂ نظر زندگی کی جانب ان کا الہڑ، البیلا اور مثبت رویہ اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ اور قاری کے دل میں گھر کر لیتا ہے۔ تحریر کا یہی بانکپن کتاب میں شامل دیگر مضامین "ننانوے ناٹ آؤٹ" بلڈ پریشر اور کلب میں نظر آتا ہے۔

"ننانوے ناٹ آؤٹ" سب سے طویل مزاحیہ مضمون ہے۔ یہاں کرداروں مکالمے، بذلہ سنجی برجستگی، اور بے ساختگی سے مزاح پیدا کیا گیا ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

۱۔ گیدی صاحب نے پوچھا، تم گیند پھینکتے ہو یا آہستہ۔
شیطان بولے، مجھے کیا پتہ؟ ابھی پھینک کر دیکھوں گا"

۲۔ تم ان صحرانوردوں کی طرح ہو جو آج یہاں ہیں۔ اور کل۔ کل بھی یہیں ہیں۔
آج سے پانچ سال پہلے سب کہتے تھے کہ اس لڑکی کا مستقبل نہایت شاندار ہے۔
اور اب سب کہتے ہیں کہ اس لڑکی کا ماضی واقعی لاجواب ہوگا۔

۳۔ کھانے کے بعد مجھے یونہی خیال آیا کہ شیطان اور حکومت آپا دیر سے غائب ہیں۔ تلاش کرنے پر دیکھتا ہوں کہ دونوں فوارے کے پاس بیٹھے ہیں اور رومان انگیز گفتگو ہو رہی ہے۔ میں چھپ کر سننے لگا۔
شیطان بولے،" سچ مچ تم بہت پیاری معلوم ہو رہی ہو"۔
حکومت آپا نے کہا، سچ مچ میرے پاس اس وقت روپے نہیں ہیں، ورنہ ضرور قرض دے دیتی۔ ("ننانوے ناٹ اوٹ" مضمون حماقتیں"۔ ص ۹۸)

کلب شفیق الرحمٰن کے تمام افسانوں اور مضامین میں ضرور شامل رہتا ہے۔ کلب سماجی زندگی کا ایک مظہر، خوش باش خوشحال لوگوں کا ایک معقول ٹھکانہ اور قاری کے لئے پرکشش مقام کی حیثیت سے متعارف ہوتا ہے۔ یہاں بھانت بھانت کے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ شوقین مزاج، نمائش کے شوقین،

شراب کے رسیا، بیویوں سے ڈرے سہمے شوہر حضرات، نام نہاد انٹلکچوئیل مصوری اور شاعری کا شوق فرمانے والے ڈھونگی، غرض اس رنگارنگی میں مشاہدۂ فطرتِ انسانی کارفرما رہتا ہے۔ قاری اس بات کا قائل ہو جاتا ہے کہ شفیق الرحمٰن نے دنیا اور اہلِ دنیا کو جی بھر کر دیکھا، مشاہدہ کیا اور بے تعصبانہ زندہ دلی سے گزرے۔ کسی نظریے کی تبلیغ کیئے بغیر انھوں نے فن کے بنیادی مقصد کو بھی پورا کیا۔ فن کا بنیادی مقصد حظ مہیا کرنا ہے اور جب کوئی فن پارہ حظ مہیا کرتا ہے، تو خود بخود صداقت کی نشاندہی سے کوئی نہ کوئی نظریہ بھی پیش کر دیتا ہے۔ قاری اس نظریے کا ہمنوا بن جاتا ہے لیکن اسے کہیں بھی فنکار کی شعوری کوشش کا احساس نہیں ہونا چاہئے۔ ''کلب'' میں شفیق الرحمٰن نے ایسا ہی ایک نظریہ پیش کیا ہے۔ انسانی زندگی میں پوشیدہ دوغلا پن، جھوٹ اور فریب کو نہایت عمدگی سے مزاح کے پردے میں چھپایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے المیہ ''تنہائی'' اور اس کے کرب کی شدت کو بھی اس مضمون میں اجاگر کیا گیا ہے۔ ''کلب'' آنے والے زیادہ تر حضرات توجہ کے متلاشی اور سچی رفاقت سے محروم نظر آتے ہیں۔ ان کی گفتگو کا نمونہ نہایت دلچسپ ہے۔

۱۔ ''میں برسوں سے اپنے آپ کو دھوکا دیتا رہا ہوں''۔
''کبھی آپ نے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہوئے پکڑا نہیں
ہرگز نہیں، میں بہت چالاک ہوں''

۲۔ دو معمر حضرات بیٹھے پی رہے ہیں۔
''دوست الوجود شخص دوپہر سے بے کار بیٹھا ہے۔ وہ جو اس کھڑکی میں سے نظر آرہا ہے۔ شاید اسے دنیا میں کوئی کام نہیں''۔
آپ کو کیا پتہ یہ دوپہر سے بے کار بیٹھا ہے؟''
اس لئے کہ میں خود دوپہر سے اسے دیکھ رہا ہوں''۔

۳۔ مصوری کے بارے میں اتنا کم جانتا ہوں کہ اس پر بحث کرتے ہوئے مجھے غصہ تک نہیں آتا''۔

۴۔ جانتے ہو محبت کرنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے؟
کیا ہوتا ہے؟
ان کی شادی ہو جاتی ہے۔
شادی کے لئے تو بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے۔
شادی کے لئے صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک نوعمر لڑکی۔ اور ایک بے صبر ماں''۔ کلب (ص ۱۴۳)

شفیق الرحمٰن کو لفظی الٹ پھیر سے محبت ہے اور وہ لفظوں سے کھیلتے ہوئے اصل معنی کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

ان کی تحریر میں ، رعایت لفظی کی عمدہ مثالیں مل سکتی ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ وہ صورت واقعہ سے کام لیتے ہوئے اچانک ایسی ناہمواری سامنے لاتے ہیں لفظی الٹ پھیر کی گنجائش فطری معلوم ہوتی ہے۔ کتاب میں مختلف عمر کے لوگوں کی دلچسپیاں اور گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

۱۔ "ایک اور صاحب مغربی مصنفین کا ذکر فرما رہے ہیں، او ہنری کا ذکر ہو رہا ہے ایک برخوردار پوچھتے ہیں۔ ابا جان، یہ او ہنری کچھ یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اے او ہنری۔۔۔

۲۔ اور یہ دونوں شادی شدہ معلوم ہوتے ہیں شاید میاں بیوی ہیں؟ ایک بچے نے تصویر ہاتھ میں لے کر کہا"۔

۳۔ کیسے بے ہودہ سے ہیں،

ابا جان! ہودہ آدمی بھی تو ہوتے ہوں گے جو نہایت اچھے ہوں گے"۔

رومانوی فضا کی تخلیق میں جو ملکہ انہیں حاصل تھا وہ کم مصنفین کو نصیب ہے۔ ان کی رومانیت میں دلکشی، حسن، اداسی، مظاہر فطرت کی رعنائیوں کے ساتھ ساتھ مزاح کی چاشنی بھی شامل ہے۔ چنانچہ ان کی تخلیق کردہ رومانوی فضا بعض اوقات طنزیہ رنگ بھی اختیار کر لیتی ہے،

"ہاں وہ گوڈ کرتے۔ چاندنی رات تھی۔ میں باغ کے ایک گوشے میں کھڑا تھا۔ میرے سامنے گاربو تھی۔ معطر پھولوں کی خوشبو ہوا کے خنک جھونکے، چاندنی کا نور، بس چاروں طرف رومان برس رہا تھا۔ میں نے بڑھ کر گاربو کے ہونٹ چوم لیے۔ گال چومے، پیشانی چومی۔ اسے اس قدر چوما کہ میرا چہرہ فریم کے دوسری طرف نکل گیا اور تصویر پھٹ گئی۔" (مشمولہ تمنا کی حماقتیں۔ ص ۱۷۱)

شفیق الرحمن کے پیش کردہ کرداروں کے جذباتی احساسات انتہائی نفیس اور نازک ہوتے ہیں۔ ان کرداروں کی عمومی خصوصیت احساس خودی اور خودداری ہے۔ ان کے کردار خوبصورت، وجیہ اور خوش باتیں ہیں۔ وہ طبقہ امراء سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی زندگی کا محور حصول مسرت ہے۔ یہ شادکامی چاہے مظاہر فطرت سے ملے یا مظاہر انسانی سے وہ اس کے متلاشی دکھائی دیتے ہیں۔ فطرت کے دیگر مظاہر کے ساتھ شفیق الرحمن کو بچوں سے خاص انس اور محبت ہے۔ ان کے تقریباً ہر مضمون و افسانے میں "بچوں" کا تذکرہ یا کردار ضرور ملتا ہے۔ بچے جو فطرت کی تقلید کرتے ہیں۔ سچائی، معصومیت اور محبت کا مظہر ہیں۔ ان کے لئے کائنات سراپا حیرت ہے اور یہ تحیر ان کی آنکھوں میں جھلکتا ہے۔ یہی تحیر، معصومیت اور اُجلاپن شفیق الرحمن کا موضوع بن جاتا ہے۔ ان کے کرداروں کے بارے میں ڈاکٹر فردوس انور قاضی لکھتی ہیں۔

"ان کے اکثر افسانوں میں صرف دو چہرے جھانکتے نظر آتے ہیں۔ ایک حسین لڑکی کا

اور دوسرا خوبصورت وجیہہ مرد کا۔۔۔۔ کبھی کبھی ان کے درمیان ایک اور چہرہ بھی ابھر آتا ہے جو بالعموم چغد قسم کا ہوتا ہے۔ اور جو پہلے دو چہروں کو زیادہ قریب کرنے کا سبب یا مزید تفریح کا باعث بنتا ہے"۔ (اردو افسانہ نگاری کے رجحانات۔ ص ۲۲۰)

ڈاکٹر فردوس انور قاضی کا تجزیہ درست ہے کہ ان کے اکثر افسانوں میں دو خوبصورت چہروں کا تصور اُبھرتا ہے۔ لیکن یہ سب اتنا محدود نہیں۔ اگر نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو عام زندگی میں معمولی شکل وصورت کی لڑکی یا لڑکا ایک خاص عمر میں خود نمائی کے احساس سے بھرپور ملیں گے۔ فلمیں دیکھتے ہوئے ہر لڑکی خود کو ہیروئن کی جگہ اور ہر لڑکا خود کو ہیرو سمجھتا ہے۔ نجانے زندگی کے اس حصے کی حقیقت کو تسلیم کرنے میں تامل کیوں ہوتا ہے۔

شفیق الرحمٰن سب سے زیادہ نظر انداز کیئے جانے والے مزاح نگار ہیں۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ اکثر ناقدین اس بات کا تعین نہیں کر پائے کہ وہ افسانہ نگار تھے یا مزاح نگار۔ مثلاً ڈاکٹر فردوس انور قاضی نے انھیں افسانہ نگاروں میں شامل کیا اور مسز آفتاب مسرور عالم ان کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں۔

"شفیق الرحمٰن بنیادی طور پر طنز ومزاح نگار نہیں بلکہ افسانہ نگار ہیں لیکن ان کے افسانوں کی دلکش فضا جو وہ رومانیت میں ہنسی اور خوش دلی کی آمیزش سے تیار کرتے ہیں"۔ "اردو نثری ادب میں طنز ومزاح کی روایت اور فن"۔ ص ۱۴۰

ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ طنز ومزاح صنف ادب نہیں بلکہ "اسلوب" اور "طرز" ہے جسے تمام اصناف میں برتا جا سکتا ہے۔ اسے ناول افسانے، ڈرامے، انشائیہ کالم نویسی، خود نوشت اور شاعری کی اصناف میں بھی بآسانی سمویا جا سکتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ شفیق الرحمٰن کے فن کو سنجیدگی سے لیا جائے۔ وہ فطری طور پر مزاح نگار ہیں اور فنی لحاظ سے اُنھوں نے رومانیت سے بھرپور افسانے بھی پیش کیئے۔

زندگی کے خوشگوار لمحات کا احساس۔ امنگیں، آرزوئیں، خوشیاں سیر و تفریح، دل لگی اور دلبستگی کے سامان اور حسن کی رعنائیوں سے کسے پیار نہیں اور اگر کوئی اُنھیں اپنے تخلیقی فن کا حصہ بنائے تو اس پر "گریجویٹ مزاح نگار" کا الزام کیوں؟ اُنھوں نے اپنے فن کا تار و پود "الحمرا" کی طلسماتی کہانیوں سے بنا ہے اور وہ اس فضا کو جدید رنگ ڈھنگ دینے میں کامیاب ہوئے۔ ان طلسماتی کہانیوں میں بھی انسانوں نے ناآسودہ خواہشوں کا عکس دیکھا ہے اور شفیق الرحمٰن کی کہانیوں میں بھی ہم بآسانی اپنی خواہشات کو پہچان سکتے ہیں۔

شفیق الرحمٰن کو بحیثیت مزاح نگار وسعتِ نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ان کے مزاح نے آنسوؤں کی کوکھ سے جنم نہیں لیا لیکن معاشرتی وسماجی احساس سے بیگانہ نہیں۔ اسٹیفن لی کاک کے مطابق مزاح زندگی کی ناہمواریوں کے اس ہمدردانہ شعور کا نام ہے جس کا فنکارانہ اظہار ہو جائے۔ شفیق الرحمٰن

کے مزاج میں زندگی کی ناہمواریوں کا شعور، ہمدردی اور فنکارانہ اظہار ملتا ہے۔ "حماقتیں" میں شامل مضمون "تمنا" میں نام نہاد ادبی رسائل اور ترقی پسندوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔

"اگلے روز شیطان مجھے تلخ صاحب کے ہاں لے گئے۔ راستے میں مجھے معلوم ہوا کہ خوش قسمتی سے شیطان کی ملاقات دنیا کی عظیم ترین ہستی سے ہوگئی ہے۔ تلخ صاحب ساغ کے سب سے بڑے باغی تھے۔ ملک کے سب سے بڑے انسان ہیں۔ ان کی تحریروں میں جادو ہے ان کے قلم میں زہر ہے۔" (مشمولہ حماقتیں مضمون "تمنا" ص ۱۶۳)

پھر تلخ صاحب سے مکالمہ ملاحظہ ہو،

"شیطان نے میرا تعارف کرایا۔
"آپ بجنلسٹ ہیں یا موشلسٹ؟ اس شخص نے پوچھا
پتہ نہیں۔ میں نے جواب دیا۔
تو پھر آپ امپیریلسٹ ہوں گے۔
جی نہیں
تو پھر آپ کیا ہیں؟
انسان ہوں۔
آپ انسان ہرگز نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ کم از کم کمیونسٹ نہ ہوں" (ص۔ ۱۶۴)

آگے چل کر تلخ صاحب اپنے خود ساختہ مصائب کا حال یوں بیان کرتے ہیں،

"ذرا سوچئے تو سہی کہ کس نے میری زندگی سے راحتیں چھین لیں۔ کس نے میری ناک پر عینک لگا دی۔ کس نے میرا ہاضمہ تباہ کر دیا۔ کس نے اس کمرے میں مکڑی کے جالے لگا دیئے۔ کس نے میرے معصوم کتے کا یہ حال کر دیا کہ وہ بعض اوقات مجھے پہچانتا بھی نہیں۔ اجنبی سمجھتا ہے۔ یقیناً یہ کسی کا قصور ہے۔ اس کہنہ نظام اور اس فرسودہ خدائی کا قصور ہے"۔ (حماقتیں۔ ص ۱۶۵)

ادنیٰ و اعلیٰ فنکار کے بیچ جو اہم اور بنیادی فرق ہوتا ہے وہ شعوری و لاشعوری کاوش کا ہے۔ اعلیٰ فنکار کی شعوری کوشش بھی لاشعوری معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ادنیٰ فنکار کی شعوری کاوش دکھائی دے جاتی ہے۔ شفیق الرحمن کے فن کا کمال یہ ہے کہ وہ آمد ہی آمد محسوس ہوتا ہے۔ اس کی تحریر قابل فہم، دلچسپ اور زندگی کی توانائی سے بھرپور ہے۔ شاید انہی اہم خوبیوں کی بنا پر برصغیر کے عظیم مزاح نگار مشتاق احمد یوسفی انھیں یہ کہہ کر خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ خود انھیں کافی عرصہ لکھنے میں تامل صرف اس وجہ سے تھا کہ وہ شفیق الرحمن جیسا لکھنا چاہتے تھے۔ محمد خالد اختر ان کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"اس کے چہرے پر علم اور محبت کی جوت ہے۔ اس کی متنوع رنگارنگ معلومات اس کا

بات کرنے کا شگفتہ اور دلچسپ انداز، اس کی انسانیت۔ یہ سب صفات اسے ایک بڑا پُرلطف ساتھی اور دوست بناتی ہیں۔ ڈرائنگ روم میں یا باہر کھلی سڑک پر اس کی باتیں ایک ساحر ڈالتی ہیں اور مردہ سے مردہ ترین دل میں بہار لے آتی ہیں"۔

(ریت پر لکیریں۔ ص ۲۹)

کتابیات

۱۔ شفیق الرحمن، حماقتیں، ماورا پبلشرز لاہور، ۱۹۹۷ء

۲۔ محمد خالد اختر، ریت پر لکیریں، "آج" کراچی، ۲۰۰۷ء

۳۔ فردوس انور قاضی، ڈاکٹر، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۹۰ء

۴۔ "ظرافت" شفیق الرحمن نمبر

۵۔ "نقوش" شخصیات نمبر

۶۔ "ہم سخن"، طنز و مزاح نمبر، مضمون۔ پاکستان کے اردو ادب میں طنز و مزاح کی نوعیت۔ از عتیق احمد

۷۔ مسز آفتاب مسرور عالم خان، اردو نثری ادب میں طنز و مزاح کی روایت اور فن، ہائیر ایجوکیشن کمیشن، اسلام آباد۔ ۲۰۰۶ء

مجلّہ	---------	تخلیقی ادب (ISSN # 1814-9030)
اشاعت	---------	سالانہ
شمارہ	---------	پانچ - جنوری دو ہزار آٹھ
سرورق	---------	عابد سیال
ناشر	---------	نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد۔
پریس	---------	نمل پرنٹنگ پریس، اسلام آباد۔
ای میل شعبہ اردو	---------	numl_urdu@yahoo.com

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

تخلیقی ادب
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد